رکھتے ہیں ...... لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ امور حکومت میں والد محترم سے مشورہ لیتے اور ان کے مشوروں کو نشان راہ قرار دیتے رہے۔ امیر عبدالرحمٰن نے 1928 میں وفات پائی۔

سلطان عبدالعزیز 23 نومبر 1880 کو پیدا ہوئے تھے۔ 2 شوال 1319ھ (13 جنوری 1902) کو انہوں نے ریاض فتح کیا اور 9 نومبر 1953 کو وفات پائی۔ اس طرح انہوں نے شمسی حساب سے 51 سال حکومت کی اور 73 برس تیرہ دن عمر پائی۔

ان کے بعد ان کے بڑے بیٹے سعود کو امیر مقرر کیا گیا، وہ 12 جنوری 1902 کو اس رات کویت میں پیدا ہوئے تھے جس رات ان کے والد سلطان عبدالعزیز نے چند رفقا کی معیت میں ریاض پر قبضہ کیا تھا انہوں نے گیارہ سال حکمران رہنے کے بعد 2 نومبر 1964 کو تمام اختیارات اپنے چھوٹے بھائی فیصل کے سپرد کر دیئے تھے اور خود حکومت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ مسند اقتدار پر فائز ہونے سے چند مہینے بعد وہ اپریل 1954 کو پاکستان کے دورے پر آئے تھے۔

فیصل بن عبدالعزیز (جو سعود کی علیحدگی کے بعد حکمران ہوئے) 1906 کو پیدا ہوئے۔ 1953 میں انہیں ولی عہد سلطنت بنایا گیا، 1961 میں نائب جلالۃ الملک کی ذمہ داریاں انہیں سونپی گئیں۔ شاہ فیصل ترقی یافتہ بادشاہ تھے، انہوں نے سعودی عرب میں بہت سی اصلاحات کا نفاذ کیا۔ وہ تمام اسلامی ممالک کے اتحاد کے حامی تھے، اس سلسلے میں انہوں نے ایران سمیت تمام اسلامی ملکوں کا دورہ کیا۔ وہ نہایت محتاط زندگی بسر کرتے تھے، ان کا زیادہ تر وقت دفتر میں یا مکان پر ملکی معاملات سے متعلق غور وفکر میں صرف ہوتا تھا۔ امور سلطنت کے بارے میں تمام کاغذات وہ خود پڑھتے اور ضروری احکام خود اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ وہ جمہوریت کے حامی تھے اور دنیا کی سیاست کے نشیب و فراز پر عبور رکھتے تھے۔ وہ شاہانہ زندگی سے گریزاں تھے، سادگی پسند اور عوام سے میل جول رکھتے تھے۔ اجتماعی اور ملکی مسائل ان کا اصل موضوع تھے۔ عرب رواج کے برعکس انہوں نے ایک ہی شادی کی، وہ خالص اسلامی فکر کے حامل تھے۔

ملک میں تعلیم عام کرنے کے وہ بے حد شائق تھے، چنانچہ انہوں نے بہت سی تعلیم گاہیں قائم کیں، متعدد یونیورسٹیاں ان کی کوشش سے معرض وجود میں آئیں۔ سعودی عرب سے باہر متعدد ملکوں میں بھی انہوں نے تعلیمی ادارے قائم کئے اور ان کی مالی مدد کی۔ 1974 کو لاہور میں جو اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس کے انعقاد میں انہوں نے پاکستان کی حکومت کے ساتھ بے حد تعاون کیا۔ غرض وہ بے شمار خوبیوں کے مالک اور بہت سے اوصاف کے حامل تھے۔

وہ 25 اپریل 1975 کو اپنے بھتیجے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ تمام دنیا میں ان کی اس حادثاتی موت پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا گیا۔ مسلمان ملکوں میں خاص طور پر ان کی وفات کو شدید حزن والم کا باعث قرار دیا گیا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ جب تک زندہ رہے، ایک جرات مند مجاہد کی طرح زندہ رہے اور جب موت آئی تو وہ ایک شہید کی موت تھی۔

ان کے بعد انکے بھائی شاہ خالد سریر آرائے سلطنت ہوئے، وہ بھی اپنے پیشرؤوں کی طرح نہایت فہیم و عاقل اور صاحب عزم و ہمت حکمران تھے۔ ان کے زمانے میں بھی سعودی مملکت نے بڑی ترقی کی اور بہت سی نئی اصلاحات اسکیمیں جاری کی گئیں۔ بین الاقوامی تعلقات میں بھی استحکام پیدا ہوا اور اسلامی ملکوں سے بھی روابط میں اضافہ ہوا۔

ان کی وفات کے بعد شاہ فہد کا دور آیا، یہ دور بھی ہر اعتبار سے سعودی حکومت کے لئے ارتقاء کا ضامن رہا۔ وہاں کے عوام بھی اس عہد میں انتہائی خوش رہے اور دوسرے ملکوں سے روابط و مراسم کی حدیں بھی بہت مستحکم ہوئیں۔ تمام معاملات نہایت حسن و خوبی سے سرانجام دیئے جاتے رہے ہیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ امیر محمد بن سعود نے، جب وہ درعیہ کے منصب امارت پر فائز تھے، 1747ء میں علاقہ نجد کے مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ یہ پ موقع تھا کہ ان دونوں کے درمیان رابطہ قائم ہوا تھا، اس وقت طے یہ پایا تھا کہ محمد بن عبدالوہاب اس علاقے میں دعوت و اصلاح کی خدمات سرانجام دیں گے اور محمد بن سعود احکام شرع کے مطابق حکومت کی ذمہ داریوں کو نبھائیں گے۔ اس باہمی گفتگو پر اڑھائی سو سال سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے اور اس طویل مدت میں نجد و حجاز کے وسیع خطوں میں بے شمار انقلابات رونما ہو چکے ہیں لیکن دو دونوں رہنماؤں کے درمیان جو فیصلہ طے پایا تھا اس پر اب بھی عمل ہو رہا ہے۔ سعودی خاندان کو وہاں کی زبان اور تاریخ میں ''آل سعود'' اور امام محمد بن عبدالوھاب کے خاندان کو ''آل شیخ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دونوں خاندانوں کے تعلقات نہایت مستحکم چلے آرہے ہیں۔ کبھی کسی کو کسی سے شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ علوم دینیہ اور دعوت اسلامی کے معاملات آل شیخ کے سپرد ہیں، جس میں حکومت کوئی دخل نہیں دیتی اور ملکی سیاست اور حکمرانی کے فرائض کی انجام دہی کے ذمہ دار آل سعود ہیں، اسمیں آل شیخ بالکل مداخلت نہیں کرتے۔

اب یکم اگست ۲۰۰۵ء کو شاہ فہد کی وفات کے بعد شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز (جو نہایت معاملہ فہم اور زیرک انسان ہیں) نے زمام حکومت سنبھالی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے اور نظر بد سے بچائے۔ نیز مملکت سعودیہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطاء فرمائے۔ آمین

ابو انس محمد یحییٰ گوندلوی

اہل حدیث اور ردِّ قادیانیت

اللہ تعالیٰ نے اہل حدیث کو یہ شرف بخشا ہے کہ جب بھی اسلام کے خلاف کوئی سازش ہوئی' یا کسی فتنہ نے سر اٹھایا تو اہل حدیث نے ہی آگے بڑھ کر نہ صرف کہ اس کی سرکوبی کی' بلکہ اس کے قلع قمع کیلئے کمربستہ ہو گئے۔ برصغیر میں اسلام مخالف فتنوں میں سے ایک نمایاں فتنہ قادیانیت کا تھا۔ اس فتنہ کے خلاف بھی سب سے پہلے اہل حدیث نے آواز اٹھائی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا قادیانی کے عقائد ونظریات کی بنیاد پر اس کے متعلق فتویٰ طلب کیا تو سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے فتویٰ کفر جاری کیا۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیت کو ناکوں چنے چبوائے' تا آنکہ مرزا قادیانی' حضرت مولانا امرتسری سے مباہلہ کے نتیجہ میں ذلت آمیز موت مرا۔

پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کیلئے سب سے پہلی آواز معروف اہل حدیث عالم دین مولانا محمد حنیف ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھائی۔ تحریک چلی' قربانیاں دی گئیں' حتیٰ کہ یہ مسئلہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں زیر بحث آیا' جو آخری حوالہ کر دیا گیا۔ جس پر مرزا ناصر لاجواب ہوا۔ اور اس نے بحث کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ وہ آخری حوالہ بھی اہل حدیث کے جید عالم دین حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مہیا فرمایا تھا۔ تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت میں جس کسی نے بھی جس انداز سے جتنا حصہ ڈالا' وہ باعث شرف وسعادت ہے۔ لیکن ''بعض الناس'' دوسروں کی خدمات بھی اپنے کھاتے میں ڈالنے کی سعی نامشکور کرتے ہیں۔ ایسا کچھ ہی تحریک ختم نبوت سے ہوا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے شیخ الحدیث مولانا محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ تعالیٰ کو کہ انہوں نے اس مسئلہ پر قلم اٹھا کر بہت سے راز ''وا'' کر دیئے۔ مضمون کی افادیت کے پیش نظر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولف کو جزائے خیر عطاء فرمائے اور عامۃ الناس کیلئے نافع بنائے۔ آمین (ادارہ)

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قادیانیت کے خلاف تحریکی مہم کا آغاز علماء اہل حدیث ہند نے کیا تھا جس کی سرپرستی شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی نے کی اور ۱۸۹۱ء میں مرزا قادیانی کے باطل عقائد کی جانچ پرکھ کے بعد اس پر فتویٰ کفر لگایا اس فتویٰ کو اتنی شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی کہ برصغیر کے تقریباً تمام نامور علماء کرام نے اس کی تصدیق اور تصویب کی اور یہ فتویٰ رد قادیانیت میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کر گیا اس فتویٰ کی اشاعت کے بعد قادیانی انتہائی پریشان ہو گئے اور اس فتویٰ کو اپنے باطل مقاصد کی تکمیل میں ایک مضبوط آڑ سمجھنے لگے یہی وجہ ہے کہ اس فتویٰ کے آجانے کے بعد مرزا صاحب کی کوئی اہم تصنیف ایسی نہیں جس میں اسنے اس فتوے پر ناراضگی اور خفگی کا اظہار نہ کیا ہو۔ اس لئے کہ اس فتویٰ نے قادیانی تحریک کے خلاف ایک منظم اور قومی محاذ قائم کر دیا تھا جس کی روشنی میں قادیانی تحریک پر ہر طرف سے دلائل ونصوص کے میزائلوں کی بارش شروع ہو گئی تھی۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ قادیانی کے خلاف جس نے بھی قلمی یا علمی کام کیا ہے خواہ وہ کسی مسلک سے تعلق رکھتا تھا اس نے اس فتویٰ کے بعد ہی کیا ہے جس کا اعتراف تقریباً قادیانیوں پر قلم اٹھانے والے تمام احباب نے کیا ہے اگر اس کے شواہد معلوم کرنے ہوں تو دیوبندی مورخ مولانا رفیق دلاوری کی کتاب ''رئیس قادیان'' میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

اکابر پرستی کا جنون:

متحدہ ہند میں تو کچھ انصاف پسندی موجود تھی اور تنگ نظری اور فکری کا جنون قدرے کم تھا لیکن جونہی تقسیم ہوئی تو اکابر پرستی کی وبا نے سر اٹھایا اور ہر گروہ نے اپنے اکابر کو اشاعت اسلام کا ہیرو اور دوسرے حضرات کو انگریز کا ایجنٹ ثابت کرنے کی مہم چلائی۔ اس میں حرج کی کوئی بات نہیں کہ اگر کسی شخص نے حفاظت اسلام کا کوئی فریضہ انجام دیا ہے تو اس کا تذکرہ کرنا چاہیے۔ بشرطیکہ وہ مستند حقائق پر مبنی ہو۔ لیکن یہ روش نامعقول اور مروت سے گری ہوتی ہے کہ اپنے چند اکابر کے علاوہ دوسرے مسالک کے اکابر کی اسلام کی حفاظت اور دفاع میں کی گئی کاوشوں کا انکار کر دیا جائے اور بھرپور کوشش کی جائے کہ تاریخ کے اوراق میں ان کا تذکرہ ہی مفقود کر دیا جائے۔

تاریخ کا مسخ:

مذکورہ تمہید کوئی خیالی نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت پر مبنی ہے کہ چند دہائیوں سے احباب دیوبند اور ان کے بالتبع اب علماء بریلی پر ایسا ہی خبط سوار ہو چکا ہے کہ ہر میدان میں اسلام کی خدمت خصوصاً ردِّ قادیانیت کا سہرا ان کے اکابر کے سر پر ہے وہ اس میدان میں اپنے اکابر کو زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچانے کی تگ ودو میں لگے ہوئے ہیں چونکہ ان کی یہ کاوش حقائق کی روشنی میں تو

کامیاب ہوتی نظر نہیں آتی اس لئے کہ اس میدان میں اہل حدیث کو ہر لحاظ سے سبقت حاصل ہے لہٰذا ایک منصوبے کے تحت اب جو بھی نام نہاد مورخ قادیانیت کے موضوع پر قلم اٹھاتا ہے وہ اہل حدیث کا سرے سے تذکرہ تک نہیں کرتا۔ بلکہ کوشش کی جارہی ہے کہ علماء اہل حدیث کو انگریز کا ایجنٹ اور قادیانی کا ہمنوا باور کرایا جائے۔ بریلوی مکتب فکر کی ایک مقتدر شخصیت ضیاء اللہ قادری لکھتا ہے ''وہابی مولویوں نے مرزائیوں کے خلاف قدم نہیں اٹھایا بلکہ ان کی پشت پناہی اور ان کی حمایت کی ہے'' (وہابیت اور مرزائیت صفحہ ۵۹)۔ دیوبند مکتب فکر کے تو بہت سے احباب نے اس میدان میں افتراپروری کے جوہر دکھائے ہیں اور ان کے ہر ایک نام نہاد مورخ نے خوب قلم کی صفائی دکھائی ہے۔ اور اس تاریخ سازی میں نامور علماء نے حصہ لیا ہے جن میں سرفہرست لدھیانوی کاندھلوی احباب ہیں ان کے دوش بدوش مولانا سرفراز صفدر گکھڑوی بھی ہیں ان حضرات کو تو ویسے ہی اہل حدیث نام سے چڑ ہے اور یہ کسی میدان میں اہل حدیث کا نام سننا گوارہ نہیں کرتے۔ قادری صاحب کی تو ہم بات نہیں کرتے ان کے مکتب فکر کے علماء کا متحدہ ہند میں خصوصاً قادیانی کی زندگی میں کوئی قابل ذکر کارنامہ نہیں جسے منقار قلم پر لایا جائے ان کے اعلیٰ حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں کسی کونے میں دبکے بیٹھے تھے حالانکہ اس دور میں اعلیٰ حضرت صاحب علماء اہل حدیث کو اپنے زعم میں دائرہ اسلام سے ایک فتویٰ کی رو سے خارج قرار دے چکے تھے لیکن مرزائیت کے حوالہ سے موصوف کا قلم خشک ہو چکا تھا اور کوئی شوشہ نوک قلم پر نہیں آیا تھا ہاں البتہ اکابر دیوبند میں سے بعض حضرات مرزا صاحب کے خلاف ضرور صف آراء ہوئے تھے لیکن وہ بھی حضرت میاں صاحب کے فتویٰ تکفیر کے بعد۔ یہ حضرات اولاً اہل حدیث کے بارے میں ایک مفروضہ قائم کرتے ہیں اور پھر اسی مفروضہ پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھتے ہیں مثلاً مرزا انگریز کا خود کاشتہ پودا ہے اور اہل حدیث نے بھی انگریز کی حمایت کی ہے لہٰذا یہ مرزا قادیانی کے ہمنوا تھے۔

اس مفروضہ کے تحت مولانا صفدر گکھڑوی فرماتے ہیں ''دوسری طرف بعض غیر مقلدین حضرات نے اپنے جاہ و جلال اور ریاستوں کی حفاظت اور انگیزی کی کاسہ لیسی کی خاطر انگریز قوم کے خلاف جہاد حرام قرار دیا۔ چنانچہ نواب صدیق الحسن خان لکھتے ہیں کہ کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آج تک کوئی موحد متبع سنت حدیث و قرآن پر چلنے والا بے وفائی اور اقرار توڑنے کا مرتکب ہوا ہو یا فتنہ انگریزی اور بغاوت پر آمادہ ہوا ہو جتنے لوگوں نے غدر میں شر و فساد کیا اور احکام انگلشیہ سے بر سر عناد ہوئے سب کے سب مقلدان حنفی تھے نہ متبعان حدیث نبوی (ترجمان وہابیہ صفحہ ۲۵) اسی اثناء میں انگریزی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے انگریز کی طرف سے مرزا غلام احمد کو جعلی نبوت عطا ہوئی (ختم نبوت ملحقہ ختم نبوت دیوبند صفحہ ۳۱۱)

دیکھا قارئین کرام! موصوف نے کتنی اعلیٰ دلیل بیان کی ہے اہل حدیث کی مرزا قادیانی سے ہمنوائی کی حلیہ آہو کا بیان کرنا تھا کر دیا بھیڑیے کا۔ اور پھر کیسی عمدہ فقاہت ہے صاحب ہدایہ زندہ ہوتا تو وہ بھی اس فقاہت کو دیکھ کر اپنی فقاہت کو لات مار دیتا۔

انگریز اور علماء اہل حدیث:

قارئین کرام! انگریز کے خلاف اور استخلاص وطن کے لئے کس نے قربانیاں دیں، کن پر وہابیت کا دھبہ لگا کر انہیں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا، کن کے محلات مسمار کر دیے گئے، کن کی جائدادیں قرق اور ضبط ہوئیں، کن کو کالا پانی کی سزائیں دی گئیں یقیناً یہ تاریخ کی امانت ہے کہ وہ اہل حدیث ہی تھے جن کے وجود کو انگریز اپنے لئے خطرہ سمجھتا تھا اور ان کے استیصال پر تلا ہوا تھا۔ علامہ ظہیر شہیدؒ نے اپنی ایک تقریر میں ان پر عزم ارادوں اور ولولہ انگیز شہادتوں کا ذکر کیا ہے کہ علمائے صادق پور اور پٹنہ اور بنگال کے غیور اہل حدیثوں نے راہ جہاد میں اپنا سارا کچھ لٹا دیا مگر انگریز کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا ذرا ''کالا پانی'' اٹھا کر پڑھو اور ''اور انڈین مسلمان'' کا مطالعہ تو کرو سب حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ ایک طرف تو انگریز علماء اہل حدیث کو چن چن کر ختم کر رہا تھا تو دوسری طرف انگریز سامراج کے گماشتے اور پٹھو علماء اہلحدیث پر کفر کے فتوے لگا کر انگریز کو خوش کر رہے تھے۔ جامع الشواہد اسی دور کی بھیانک تصویر ہے جس پر پانچ سو کے قریب نام نہاد دین کے ٹھیکیداروں نے اہل حدیث کے خلاف اپنی بھڑاس نکالی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ایک طالب علم بھی واقف ہے اور اور وہ اہل حدیث کی انگریز کے خلاف قربانیوں کا انکار نہیں کر سکتا۔ انکار تو وہی کرتا ہے جس نے اہل حدیث دشمنی میں ادھار کھایا ہوا ہے اور وہ تعصب اور عناد کی چھری سے حقیقت کو ہر صورت ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

انگریز اور علماء دیوبند:

متواتر تاریخی شہادات موجود ہیں کہ علماء دیوبند نے کھل کھلا کے انگریز سرکار کی حمایت کی تھی اور اس کے عوض بڑے بھاری بھرکم نذرانے وصول کیے ہیں جنگ میں شاہی فوج کی بجائے انگریز فوج کا ساتھ دیا تھا بلکہ اپنے صوفیانہ عقائد کی روشنی میں انگریزی فوج کو حق پر ثابت کرنے کی کوشش کی تھی مولانا فضل الرحمان مراد آبادی نے تو صریحاً اعلان کیا تھا کہ لڑنے کا کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریز کی صف میں پا رہا ہوں (سوانح قاسمی صفحہ ۱۰۳ ج۲) انگریز کے خلاف لڑنے والوں کو باغی اور مفسد قرار دیا اور اس کے مقابلہ میں انگریز کو رحمدل قرار دیا مولانا میرٹھی لکھتے ہیں ''جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیوں کی سرکوبی کی (تذکرہ رشید صفحہ ۷۶ جلد ۱) دیوبندیوں کے اس وقت کے سردار

مولانا رشید گنگوھی کے بارے میں میرٹھی صاحب نے لکھا ہے کہ ''جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیرخواہ

تھے تازیست خیرخواہ ہی ثابت رہے (تذکرۃ الرشید)

اکابر دیوبند کا انگریز کے ساتھ وفاداری کا ہی کرشمہ تھا کہ لیفٹیننٹ گورنر کے نمائندہ پامرنے دیوبند دارالعلوم کا دورہ کیا تو یہ رپورٹ دی کہ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد ومعاون ہے (احسن نانوتوی صفحہ ۲۱۷)

رہی جہاد کی بات تو مولانا رشید گنگوھی نے فتوی جاری کیا اور اسکی تصدیق مولانا محمود حسن شیخ الہند نے بھی کی کہ ''مسلمان مذہبی طور سے پابند ہیں کہ حکومت برطانیہ کے وفادار ہیں خواہ آخر الذکر سلطان ترکی سے ہی برسر جنگ کیوں نہ ہوں (تحریک شیخ الہند صفحہ ۳۰۵) اس سلسلہ میں مکمل حقائق کا ادراک مطلوب ہو تو صاحبزادہ مولانا برق التوحیدی کی کتاب ''علماء دیوبند اور انگریز'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

ان حقائق سے مولانا صفدر صاحب پر حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ انگریز کے خلاف اور استخلاص وطن کے لئے علماء دیوبند نے نہیں بلکہ علماء اہل حدیث نے قربانیاں دی تھیں اگر حضرت نواب صاحب نے کسی مجبوری اور اضطراری حالت کی بنا پر ایک آدھ جملہ لکھ دیا تو کیا اس سے پوری جماعت کی قربانیوں پر پانی پھر جائے گا۔ پھر یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ انگریز نے حضرت نواب صاحب کو ان کے منصب سے محض اس لئے معزول کیا تھا کہ ان پر وہابیوں کی تائید اور مدد کا الزام تھا اور پھر تاحیات وہ معزول ہی رہے اگر نواب صاحب کا عملاً کردار انگریز کی حمایت وتائید میں ہوتا تو پھر ان کو ان کے منصب سے کیوں معزول کیا جاتا۔ ان کا اپنے منصب سے معزول ہونا اس بات کی بین دلیل تھی کہ وہ انگریز کے عملاً موید اور ہمنوا نہ تھے۔

ثانیاً مولانا گکھڑوی صاحب سے گزارش ہے کہ وہ کوئی تین چار ریاستوں کی نشاندہی فرمائیں جن پر اہل حدیث کی حکومت تھی اور انہوں نے اپنی حکومت بچانے کے لئے انگریز کی تائید وحمایت کی تھی۔ یقیناً یہ ایک افتراء ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں سوائے ایک ریاست بھوپال کے کسی دوسری ریاست میں اہلحدیث کی کوئی حکومت نہ تھی اور بھوپال میں بھی نواب صاحب کو ان کے منصب سے اس لیے معزول کر دیا گیا تھا کہ وہ حکومت کے خلاف وہابیوں کی مدد کرتے ہیں۔

نواب صاحب اور مرزا صاحب:

یہ حقیقت بھی ظاہر و باہر ہے کہ نواب صاحب کا مرزا صاحب سے کوئی ادنیٰ تعلق یا رابطہ نہیں تھا بلکہ نواب صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے مرزا صاحب کے خلاف نفرت کا اظہار کیا تھا۔ مرزا صاحب نے جب اپنی پہلی کتاب (براہین احمدیہ) تحریر کی تو اس کا ایک نسخہ حضرت نواب صاحب'' کو بھی بھیجا جو شخص نسخہ لے کر گیا نواب صاحب نے اسے اس شخص کے سامنے چاک کر دیا اور پھاڑ کر اس کو واپس کر دیا جس کا مرزا صاحب کو تاحیات ملال رہا اور اس واقعہ کو اپنی مختلف تصانیف میں ذکر کرتا رہا حتی کہ حقیقت الوحی جو اس نے اپنی آخری عمر میں لکھی اس کے تتمہ صفحہ ۳۷ کے حاشیہ میں بھی اس واقعہ کا بڑے ملال اور افسوس کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور پھر جس نے بھی قادیانیت کی تاریخ پر قلم اٹھایا ہے خواہ وہ قادیانی ہے یا مسلم ہر ایک نے اس واقعہ کو تاریخ کا حصہ بنا دیا ہے حتی کہ مولانا گکھڑوی کے صاحبزادے عبدالحق نے بھی اپنی تالیف فتوی ربانی صفحہ ۳۹ میں بھی تاریخ احمدیت صفحہ ۲۸ جلد ۲ کے حوالہ سے رقم کیا ہے اگر یہی بات ہوتی جسے گکھڑوی صاحب باور کرانا چاہتے ہیں تو پھر حضرت نواب صاحب کو مرزا صاحب کا حامی ہونا چاہیے تھا اس کی مخالفت کا کیا معنی ہے؟

مرزا قادیانی کا مذہبی تعارف:

یہ بات کسی بھی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں کہ مرزا قادیانی ایک حنفی خاندان کا فرد تھا اس کا پورا خاندان حنفی تھا مرزا صاحب نے جس مذہبی ماحول میں آنکھ کھولی اس ماحول میں فقہی مسائل میں تو فقہ حنفی پر عمل کیا جاتا تھا اور عقائد میں وہ لوگ عموماً صوفی المشرب تھے مرزا صاحب کی نشو ونما بھی اسی منہج پر ہوئی کہ وہ احکام میں فقہ حنفی کا پابند تھا اور عقائد میں صوفیانہ نظریات کا حامل اور عامل تھا جہاں تک عقائد کی بات ہے تو خود مرزا صاحب کی کتب اس پر شاہد عدل ہیں کہ اس کے عقائد صوفیانہ تھے اس نے انہی عقائد پر اپنے دعوؤں کی بنیاد رکھی تھی اور یہ دعوے آناً فاناً معرض وجود میں نہیں آئے تھے بلکہ اس کیلئے اس نے ایک عرصہ تک راہ ہموار کی تھی تصوف اس وقت علماء احناف کا مرغوب ترین منہج تھا اور شاید ہی کوئی نامور حنفی عالم ہو جو اسوقت تصوف کا حامل نہ ہو بلکہ تمام ہی اس پرخار منزل کے راہی تھے اور آج بھی اکثریت اسی نظریہ پر گامزن ہے۔ اور یہ تو تصوف کی عام کتابوں میں بھی ہے کہ ہر بڑا صوفی الہام، القاء، کشف اور بزعم خویش خود کو ہاتف غیبی سے ملذذ اور محظوظ ہونے کا مدعی ہے۔ مرزا صاحب تصوف کے جملہ نظریات جیسا کہ وحدت الوجود بلکہ حلول اور کشف ومنامات میں باری تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف کا قائل تھا یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی عین اللہ کبھی ابن اللہ ہونے کا دعوٰی کا کرتا ہے جس کی مکمل تفصیل راقم الحروف کے مقالہ ''مرزا قادیانی اور نظریہ توحید'' میں موجود ہے علاوہ ازیں مرزا صاحب چلہ کشی کے بھی قائل تھے انہوں نے اس نظریہ کے تحت ایک بار چالیس روز چلہ بھی کیا تھا اور اس سے فراغت پانے کے بعد اپنے مریدین کو مژدہ سنایا تھا کہ ''ان دنوں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھلے ہیں

اوربعض اوقات دیر تک اللہ تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے (حنفیت اور مرزائیت صفحہ ۸۱) اسی طرح وہ عام صوفیہ حضرات کی طرح قائل تھا کہ رسول اللہ سے ان کی وفات کے بعد اب بھی براہ راست فیض حاصل کیا جا سکتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں یہ خیال کہ انبیاء زندہ ہو کر قبر میں رہتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ہاں قبر سے ایک قسم کا تعلق ان کا باقی رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ کشفی طور پر اپنی اپنی قبروں میں نظر آتے ہیں مگر یہ نہیں کہ وہ قبروں میں ہوتے ہیں بلکہ وہ ملائکہ کی طرح آسمانوں میں جو بہشت کی زمین ہے اپنے مرتبہ کے موافق مقام رکھتے ہیں اور بیداری میں پاک دل لوگوں سے کبھی کبھی زمین پر آکر ملاقات بھی کرتے ہیں ہمارے نبی ﷺ کا اکثر اولیاء سے عین بیداری کی حالت میں ملاقات کرنا کتابوں میں بھرا پڑا ہے اور مولف رسالہ '' خود مرزا صاحب'' بھی کئی دفعہ اس شرف سے مشرف ہو چکا ہے (ازالہ اوہام صفحہ ۲۵۱ حاشیہ)

مرزا اور حنفیت:

یہ تو مرزا صاحب کے صوفیانہ عقائد اور اعمال تھے باقی رہی فقہی احکام کی بات تو مرزا صاحب علی الاعلان تا حیات فقہ حنفی پر کاربند رہے تھے (تحریک احمدیت صفحہ ۱۱ جلد ۱. سیرت مہدی صفحہ ۴۹ جلد ۲ ومواضع کثیرہ)

اور کسی دور میں بھی اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانا پسند نہیں کیا بلکہ اس مسلک سے بغض وعناد کا اظہار کیا۔مرزا صاحب تو حنفی ہی تھے اپنے مریدوں کو بھی اسی فقہ پر عمل کرنے کی تاکید کرتے تھے جیسا کہ رفع یدین ہے جو سنت متواترہ ہے مرزا صاحب خود بھی اس سنت کے تارک تھے اور دوسروں کو بھی ترک کی نصیحت کرتے تھے (سیرت مہدی صفحہ ۱۶۲ جلد ۱)

مرزا صاحب اور علماء اہل حدیث:

مرزا صاحب کی اعتقادی اور فقہی پوزیشن کے پیش نظر یہ ممکن نہیں کہ علماء اہل حدیث کا کوئی مذہبی تعلق ہو اہل حدیث احکام میں نہ فقہ حنفی کو تشریعی حیثیت سے قبول کرتے ہیں اور نہ تصوف کو اپنے عقائد کا ماخذ مانتے ہیں بلکہ اہل حدیث کا منہج بالکل سادہ ہے کہ یہ ادھر ادھر کی بجائے خالص کتاب وسنت پر عمل کے داعی اور عامل ہیں یہ ان کا ایسا وصف اور امتیاز ہے کہ جس میں ان کا شریک و سہیم نہیں لہٰذا مرزا صاحب کے عقائد اور اعمال خود اس کی نفی کرتے ہیں کہ اس کا اہل حدیث کے ساتھ کوئی اعتقادی اور فقہی احکام میں تعلق ہے۔بلاشبہ علماء اہل حدیث کا مرزا صاحب سے کبھی مذہبی تعلق نہیں رہا نہ قبل از فتویٰ تکفیر تھا اور نہ بعد از فتویٰ تکفیر۔لیکن فتویٰ تکفیر کے بعد تو اہل حدیث اور مرزا صاحب کے درمیان عداوت سامنے آگئی مرزا صاحب نے اس فتویٰ پر جس قسم کا رد عمل ظاہر کیا تھا اس کا تقاضا بھی یہ تھا کہ اہل حدیث اور مرزا صاحب کے مابین بعد المسرقین ہے جب مرزا حضرت میاں صاحب کے بارہ میں بدگوئی اور دشنام طرازی پر اتر آیا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ علماء اہل حدیث اپنے مکرم شیخ کے خلاف مرزا صاحب کا ساتھ دیتے۔اس کا ادنیٰ سا بھی احتمال نہیں ہے کہ علماء اہل حدیث نے اپنے شیخ مکرم سے اختلاف کیا ہو بلکہ تمام تلامذہ نے میاں صاحب کے فتوے کی تصدیق وتصویب کی۔تاریخ مسخ کرنے والے کہتے ہیں مولانا بٹالوی مرزا صاحب کے دوست تھے اس لئے جو مخالفت تھی محض دکھلاوہ تھا باطن میں دونوں ایک تھے ۔ہم کہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ مولانا بٹالوی مرزا صاحب کے دعووں سے قبل ان کے دوست تھے اور یہ دوستی بھی علاقائی اور معاشرتی تھی ورنہ وہ مسلکاً اس وقت بھی مرزا کے مخالف تھے مرزا صاحب مولانا بٹالوی سے فقہ حنفی کے دفاع میں مناظرے کرتا تھا (سیرت مہدی) مگر جب مرزا صاحب نے باطل دعوے کیے تو مولانا بٹالوی اس کے سب سے بڑے دشمن ہو گئے اور مرزا صاحب بھی ان کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے اس لئے کہ فتویٰ تکفیر کے باعث مولانا بٹالوی تھے انہوں نے ہی مرزا کے باطل عقائد پر مبنی ایک استفتاء تیار کر کے حضرت میاں صاحب سے مرزا کے کفر کا فتویٰ حاصل کیا تھا۔اس فتویٰ کے بعد مرزا صاحب نے چوتھی کتاب تحریر کی اس میں مولانا بٹالوی کے متعلق ہرزہ سرائی کی اور اپنی تقریر و تحریر میں ان کے بارہ میں نہایت سوقیانہ انداز اختیار کر جاتا تھا اور بسا اوقات تمام اخلاقی حدود کو پھاند جاتا تھا۔یہ وہ حقائق ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔

خدمات اہل حدیث:

رد قادیانیت میں مرزا صاحب کی زندگی میں جس قدر علماء اہل حدیث کی خدمات ہیں دوسرے حضرات کی اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچتیں۔اشاعۃ السنہ جو اس وقت معیاری اور کثیر الاشاعت مجلہ تھا اس کے ہر شمارے کا ایک مخصوص حصہ صرف قادیانی کی سرکوبی کے لئے وقف تھا ۔مجلہ اہل حدیث امرتسر کا تو مشن ہی مذاہب باطلہ کا رد تھا جن میں قادیانیت سرفہرست تھی ان مجلوں میں قادیانیت کی تردید میں بڑے عمدہ علمی اور تحقیقی مقالات شائع ہوتے تھے اگر صرف ان مقالات کو جمع کیا جائے تو ہزاروں صفحات پر مشتمل کئی جلدیں بن جائیں۔اس کے علاوہ قاضی سلیمان منصور پوری علماء غزنویہ مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی کی تصانیف تھیں جو مرزا صاحب کی زندگی میں طبع ہو چکی تھیں جن کو اگر شمار کیا جائے تو سو سے زائد بنتی ہیں۔یہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ علماء اہلحدیث نے اس میدان میں سب سے زیادہ گراں مایہ خدمات سرانجام دی ہیں مرزا صاحب کی زندگی میں اتنی کثیر تعداد میں یہ تصانیف علماء اہل حدیث کی ہیں چونکہ اس میدان میں کلیدی کردار علماء اہلحدیث کا ہے اس لئے رد قادیانیت کی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہو گی جب تک علماء اہلحدیث کی خدمات کا وسیع ظرفی کے ساتھ اعتراف نہ کیا جائے۔ستیاناس ہو تعصب اور اکابر پرستی